شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی قرآنی فکر

(مکاتیب کے آئینہ میں)

Shah Wali Ullah's Qura'nic Thought (In the Light of His Letters)

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس☆

Abstract

Undoubtedly Shah Wali Ullah(1703-1762) and his family has a poineer role to convey the Qur'anic massage to the people of Sub-Continent in their language. Apart from the contribution in other branches of Islamic Sciences, Shah Wali Ullah wrote many books on Qur'anic Sciences. Although he wrote permanent books on the topic but in the collection of his three hundred and fifteen(315) letters(Nadir Maktoobat), many of the discussions are about Qur'anic Sciences. This article enlightens on his Qur'anic Thoughts derived from these letters. Most of these thoughts are his own work as some others are by the clerigy of his time whose thoughts are appreciated and approved by Shah Wali Ullah. The article focused on three main points regarding Shah Wali Ullah's Qur'anic Thought taken from the letters:

1. Acdemic and Dialectic discussion about the Qur'an
2. Explanation of Qur'anic verses
3. Any sentence contains the unique point derived from the Qur'anic verse.

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور آپ کے خانوادہ نے برصغیر میں علوم دینیہ کی تشریح و تفہیم کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ قرآن کریم کو بالخصوص جس طرح اس طائفہ نے اپنے کار علمی کی بنیاد بنایا، وہ انہیں کا خاصہ ومقدر رہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی قرآنیات پر متعدد تصانیف ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے قرآن فہمی کا ذوق عام کیا۔ قرآنیات پر فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن، فتح الخبیر، الفوز الکبیر، زھراوین، المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ جیسی مستقل کتب آپؒ کے علوم قرآنیہ سے دلچسپی کا مظہر ہیں[1]۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ آپ نے اپنی مختلف تصانیف میں

☆ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان۔

قرآنیات کے حوالہ سے بیش قیمت معلومات و تحقیقات نقل کی ہیں۔ اگر ان کو بھی اکٹھا کر لیا جائے تو آپؒ کی قرآنی فکر کا ایک نیا رخ سامنے آئے گا۔

نادر مکتوبات آپؒ کے ۳۱۵ مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ ان مکاتیب میں علوم القرآن کی مختلف انواع پر آپ کی تحقیقات نادرہ موجود ہیں۔ ان مکاتیب میں شاہ صاحب کی قرآنی فکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں وہ تحقیقات بھی شامل ہیں، جو کسی اور نے آپ کو خط میں ارسال کیں، آپ نے ان کو اپنے مکتوب میں کسی تبصرہ کے ساتھ نقل کیا۔

۱۔ قرآن کریم سے متعلقہ علمی / کلامی مباحث۔ ۲۔ آیات قرآنی کی تفسیر۔

۳۔ جملوں میں آیات کا اس طرح استعمال کہ آیت سے مستنبط ہونے والے کسی نکتہ کی طرف اشارہ ہو۔

ان نکات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ قرآن کریم سے متعلقہ علمی / کلامی مباحث

الف۔ کتب اربعہ کا ظہور

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ[۲] (۱۱۱۰/ ۱۶۸۹۔۱۱۸۷/ ۱۷۷۳) کو لکھتے ہیں:

ایک اور معرفت عظیمہ جو آپ کے مکتوب میں درج ہے اور وہ یہ ہے کہ کتب اربعہ (توریت، زبور، انجیل، قرآن) کا ظہور ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی کی صفات کے بالمقابل ہے، صحیح ہے، اور قرآن مجید کے کتب اربعہ کے مطالبِ کلیہ پر مشتمل ہونے نیز اُس کے امام مبین، کتاب، حکیم، ام الکتاب اور کتاب مبین کے نام رکھے جانے کی بحث بھی صحیح ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیل فقیر کے قلب پر وارد نہیں ہوئی۔ آپ کے نفس میں جو ظہور برکات الٰہیہ ہے اس کو بھی آپ نے شرح وبسط کے ساتھ لکھا تھا۔ یعنی آپ کا پورے طریقہ پر طاعت وعبادت کرنا اس بنا پر کہ آپ کو صیام، قیام اور تلاوت کلام اللہ سے رغبت ہے، قوم کے نفوس میں آپ کی رغبت اور محبت کا ہونا، یہ سب باتیں وہ ہیں جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس شعر کا مصداق ہیں:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ؎ کانگشت نمائے عالمے خواہی شد[۳]۔

ب۔ قول امام جعفر صادق کی وضاحت

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر ملت میں سے ایک شخص سے فرمایا: "میں قرآن مجید کو اس کے قائل و متکلم یعنی اللہ تعالیٰ سے سنتا ہوں؟ اور حضرت شیخ الشیوخؒ اس مقولے کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں کہ مثل شجرۂ موسیٰ (یعنی شجرۂ طور) ہو جاتے ہیں اور اپنی زبان سے نکلے ہوئے کلمات قرآنیہ کو فوارے کی طرح ادا کرتے ہیں۔

یہ ہے وہ بات جو شیخ الشیوخؒ نے اس کی توجیہہ میں فرمائی لیکن جو اس بندہ ضعیف پر ازروئے ذوق اور ازروئے حال گذرا وہ یہ ہے کہ مقام کلام نفسی کہ نزول قرآن کا تعلق اسی مقام و بارگاہ سے ہے، بندے پر منکشف ہوا۔ بندہ نے دیکھا کہ یہ معانی قرآن عمدہ ترین اسلوب بیان کے ضمن میں اہل زمین پر بارش کی طرح برابر برس رہے ہیں۔ اس لیے کہ ان الفاظ و معانی کا مخاطب نوع انسان ہے اور اس انکشاف نے خالص مرتبہ عقلیہ سے تنزل کیا اور اُس نے خیال و وہم کو اپنے رنگ میں رنگین کر لیا اور ایک عجیب حالت حاصل ہوئی، مثل اُس اتصال کے جو صرف ذات (خالص ذات) کی توجہ میں ہوتا ہے۔

تین ضمے (ضمیمے) اس صفت کے ساتھ حاصل کر لیے گئے۔ البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض وجہ سے یہ بات نہ ہو۔ مثلاً کوئی خارجی مانع (رکاوٹ) موجود ہو، اور اُس کی وجہ سے یہ حالت غائب کر دی جائے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ بزرگ (حضرت جعفر صادقؒ) نے اسی حالت مذکورہ سے مراد لی ہو گی۔ جیسا کہ "مشہود" کو صوفی کبھی رؤیت و نظر سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ (ایسا ہی انہوں نے) اس حالت کو سمع (سننے) سے موسوم کر دیا ہے......اور حقیقت کو اللہ خوب جانتا ہے [۴]۔

ج۔ تجلیات سہ گانہ

شاہ محمد عاشق پھلتی کو تجلیات سہ گانہ کے بارہ میں تفصیل سے لکھا۔ تیسری تجلی کے حوالہ سے لکھا:

یہ تجلی تلاوت قرآن عظیم کے وقت میں واقع ہوئی......(صورت یہ پیش آئی کہ) لطیفہ عقل کو ایک جنبش ہوئی اور اضمحلال متحقق ہوا۔ اس حالت سے افاقے کے بعد چند علوم ظاہر ہوئے۔ اس تجلی کی من جملہ اور باتوں کے ایک یہ ہے کہ اس تجلی کا نزول ایک خاص مقام سے ہے، اور وہ مقام صورت انسانیہ کے اندر تدلی کلی کی گہری نظر کا ہونا ہے۔ نیز وہ استعداد جبلی ہے کہ تمام افراد انسانیہ اس میں متحد و متفق ہیں، اور وہ طاری ہونے والے حوادث ہیں جو ان افراد انسانیہ کو پیش آتے ہیں۔ ان حوادث کا علاج اور اُن کی اصلاح کرنے والی تدبیر مسامت (مقابل) اور مسامت (جس کا مقابلہ کیا گیا ہو) دونوں کا، ان تینوں مذکورہ قوتوں (قوت مجردہ، قوت ملکیہ اور احدیت جمع درمیان خیال و وہم) میں جمع ہونا ہے جیسا کہ ہم نے تجلی اوّل کے بیان میں تحریر کیا ہے۔

لہٰذا (تلاوت قرآن مجید کے وقت) ایک عجیب شان رونما ہوئی، اور اضمحلال متحقق ہوا۔ اس کے بعد وہ دونوں (مسامت اور مسامت) باہم مل گئے اور تینوں مادوں (قوتوں) سے قلۃً وکثرۃً (بطور قلت و کثرت) عجیب صورتیں ظاہر ہوئیں۔

آیات قرآنی ان تمام بھیدوں کی جامع ہیں، جب تک کہ زمانہ اور اہل زمانہ موجود ہیں (یعنی قیامت تک) حق تعالیٰ متکلم ہے، اور آیات قرآن اُترنے والے کلمات حق ہیں، لیکن لسان الغیب کے ترجمان حضرت محمد خاتم الرسل ﷺ ہیں، اس لیے کہ یہ تینوں مذکورہ قوتیں آنحضرت ﷺ کے اندر کامل اور وافر طور پر تھیں۔ دوسرے آپ کے دستر خوان نعمت کے ریزہ چین ہیں۔

مجملہ اور باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ نبوت اور نزول قرآن محض تعلیم علم نہیں ہے۔ جس طرح کہ مدبر السموات والارض (اللہ تعالیٰ) صور جوہابہ میں سے کسی صورت کو معدوم کر دیتا ہے اور ایک دوسری صورت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت میں شرائع تکلیفیہ کی صورتیں پہلے صورت روحیہ میں، پھر صورت وہمیہ میں اور پھر صورت خیالیہ میں متصور اور متشکل کر دیتا ہے اور طبقات ملائکہ ملکیت کے ادنیٰ اور نچلے طبقے تک سب کے سب اسی رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں، اور اسی کی مناسبت سے اُن کو الہام و القاء کیا جاتا ہے...... پس اگر کسی جاہل نے شرائع (شریعتوں) کا انکار کیا یا شریعت کی باتوں کی بے جا اور ناحق تاویل کی تو اگرچہ وہ اصابت حق (حق تک پہنچنے) کا قصد ہی کیوں نہ رکھتا ہو گا، ضرور ماخوذ ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ موسم مرطوب ہے اور آسمان سے زمین تک سب چیزیں بھیگی ہوئی ہیں اور (ایک شخص خواہ مخواہ) یہ گمان کرتا ہے کہ موسم گرم ہے اور اُس کے اندر انتہائی گرمی اور خشکی ہے۔ یہ فاسد اور غلط اعتقاد اس کو کچھ نفع نہیں بخشتا اور مرطوب ہوا کی وجہ سے اُس شخص کی تکلیف روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے اور بیماریاں اُس کے اندر عفونت میں دم بدم اضافہ کرتی رہتی ہیں۔

تجلیات سہ گانہ کے سلسلے میں یہ آخر کلام ہے۔ "وَالحمدللہ تعالیٰ أولًا وآخرًا وظاهرًا وباطنًا" [۵]۔

د۔ حقیقت قرآن

خواجہ محمد امین کشمیری[۶] (م ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء) کو قرآن کے قدیم ہونے، نزول وحی بواسطہ ملائکہ ہونے اور حقیقت قرآن کے بارے میں لکھا:

"سوال کیا ہے کہ قرآن کے قدیم ہونے کا راز کیا ہے اور وحی کا نازل ہونا کہاں سے ہے اور حقیقت قرآن کے کیا معنی ہیں؟ جاننا چاہیے کہ جب ازل میں، تجلی اعظم کے زمانے سے پہلے، سطح میں حقیقت مطلقہ متعین ہوئی تو کمالات تجلی اعظم سے ایک کمال اس کے ساتھ متعین و قائم ہوا، اس طرح جیسے روشنی کا قیام جسم آفتاب کے ساتھ

ہے۔ اور وہ کمال نازل شدہ علوم کے ساتھ نفوس انسانیہ کی تدبیر ہے۔ نفوس بنی آدم میں سے کامل نفوس کی راہ سے ایسے علوم کے قانون پر کہ جس کی صورت انسان اپنے افراد میں باقتضائے اولیٰ اسباب کشف کی شرط کے بغیر مقدمات اولیہ عقلیہ وغیرہ کے ساتھ تقاضا کرتی ہے۔ اور اس کمال نے ایک تعین و امتیاز پیدا کر لیا ہے اور ایک اپنی جامع ومانع تعریف بہم پہنچائی ہے۔ اس کے بعد تجلی اعظم کے ان عکسوں نے جو ملأاعلیٰ کے احجار یہتہ میں متعین و قائم ہوتے ہیں ایک دوسری صورت اختیار کر لی۔ تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر جزاو سزائے قیامت، مخاصمت کفار، تعیین احکام در عبادات، تدبیر و تالیف منزل اور تدبیر و تالیف مدنی (ملکی) ان علوم میں سے کوئی علم اس جگہ مقرر و تیار نہیں ہوا، اور دائرے کشادہ تر ہو گئے۔ جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو مدغیبی کے ذریعہ جو ملأ اعلیٰ کے حظیرۃ القدس کی پشت سے بر آمد ہوئی اور ملاء اعلیٰ کی ہمتوں نے ان سب علوم کو متعین کر دیا۔ جبریل علیہ السلام اس تعیین در عقلیت میں ملائکہ کے پیش رو ہیں، آنحضرت ﷺ نے لغت عربیہ اور سورتوں اور آیتوں کے اسلوب جدید و عجیب کا لباس پہنا، اور آنحضرت ﷺ نے ان سور و آیات کو لوگوں تک پہنچایا۔ ان آیات کے پہنانے میں ذرائع الٰہی میں سے ایک ذریعہ و آلہ ہو گئے اور قوت غیبی سے اس کام کو سر انجام دیا۔ ہزاروں افواج ملائکہ کو قرآن کی محبت کا اور اس کے الفاظ کے حفظ کرنے کا الہام کیا گیا۔ اور (نزول کے بعد) بنی آدم نے ہر زمانے میں اس کی تلاوت کی اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور ان کے اعمال نامے میں اس کی تلاوت (کے ثواب) کو لکھا گیا۔

پس عالم مثال کے ایک موطن (مقام) میں جو عالم علوی و سفلی کے درمیان ہے اور جہاں آسمان و زمین دونوں کی برکتیں جمع ہوتی ہیں، اس نے صورت اختیار کر لی اور ایک عجیب وسعت پیدا کر لی۔ پس قرآن اپنے اصل کے لحاظ سے قدیم ہے، البتہ باعتبار نزول حادث ہے۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اور حضرت حق تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک بزرگ فرشتہ یعنی جبریل امین کے واسطے سے نازل کیا گیا ہے، اور یہ بندوں کی زبانوں پر پڑھا گیا ہے، عظیم الشان مصاحف میں لکھا گیا ہے اور گروہ ملائکہ میں یہ قرآن واجب التعظیم اور کثیر البرکات ہے۔ اس کی تلاوت بنی آدم کی حاجتوں کو بر لانے میں تاثیر رکھتی ہے، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ قرآن جس مقصد سے پڑھا جائے وہ پورا ہوتا ہے اور یہ قرآن ملأاعلیٰ اور عالم مثال دونوں میں متعین و مقرر ہے۔ اور الحمد للہ میں اس حقیقت معینہ در عالم مثال پر بے واسطہ پورا پورا یقین رکھتا ہوں۔ (ترجمہ شعر) "اگر میرے لیے ہر بن مو ایک زبان بن جائے تو میں اللہ تعالیٰ کی واجبی اور حقیقی حمد ادا نہیں کر سکتا"[۷]۔

ان مکاتیب پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خالصتاً علمی اور کلامی مباحث کو سادگی اور بے تکلفی سے اپنے مکاتیب میں بیان کیا ہے۔

۲۔ آیات قرآنی کی تفسیر

ذیل میں مکاتیب سے ایسے اقتباسات کیے جاتے ہیں جن میں آپ نے کسی آیت کی تفسیر یا کسی لفظ کی وضاحت کی ہے۔

الف۔ دو آیات کی وضاحت

سورۃ ھل اتیٰ (سورۃ الدہر) میں چشمہ کافور اور چشمہ زنجبیل کو اصالتاً مقربین کے لیے مقرر فرماتا ہے اور وہ شراب طہور کو جس کی ملونی کافور و زنجبیل (سونٹھ) ہے، ابرار کو دیتا ہے۔ پھر سورۃ المطففین میں چشمہ تسنیم کو اصالتاً مقربین کے لیے مقرر فرماتا ہے اور وہ شراب طہور جس کی ملونی تسنیم ہوگی، ابرار کو دیتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اس میں کیا بھید ہے؟[۸]

اس بھید کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

جاننا چاہیے کہ کافور ایک چشمہ ہے جو اچھی خوشبو والا ہے اور اس کے پینے میں کوئی کڑواہٹ نہیں ہے مقربین کی قوت کے کمال کی شکل ہے...... وہ قوتِ عقلیہ جو رحمٰن کی طرف متوجہ ہے اور جو پہنچنے والی ہے ایسی باتوں کے ایقان و یقین تک جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس طور پر کہ جس سے غیب، باب العیان میں سے (یعنی آنکھوں دیکھے حالات میں سے) ہو جائے۔

زنجبیل (سونٹھ) کہ اس کا ذائقہ حریف (چرپرا اور تیزی لیے ہوئے) ہے اور اس حرافت (یعنی عملیہ) کے کمال کی صورت ہے۔ جو نفسِ بہیمیہ کو توڑنے اور اس کی خواہشات سے لڑنے جھگڑنے کی طرف متوجہ ہے۔ مقربین اس مجادلے اور قضیے میں چرپراہٹ کے ساتھ ایک لذت پاتے ہیں۔

پس یہ کڑواہٹ اور لذع اللسان (سوزش زبان) نفس کو توڑنے کی وجہ سے ہے اور اُس شدت کی وجہ سے ہے جس کو مقربین کسر نفسی کے سلسلے میں جھیلتے اور برداشت کرتے ہیں اور لذت "نفس ملکیہ" کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بہر حال کافور کا اچھی خوشبو والا ہونا نہ کہ زنجبیل کا، اس لیے ہے کہ قوت عقلیہ کو جب کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کے اندر عالم جبروت کا انکشاف داخل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اجمالی ہی کیوں نہ ہو...... اور یہ چیز وہ غیب

ہے جو اپنے عالم شہادت والے وصف کے ساتھ قائم ہے جیسا کہ اچھی خوشبو بھی ایک ایسا غیب ہے جو ایک جسم کے ساتھ قائم ہے اور یہ شان قوت عملیہ کی نہیں ہے۔

بہر حال تسنیم ایک ایسا چشمہ ہے جو عالی مرتبہ ہے۔ اس کو نہ تو کسی خوشبو کے ساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی ذائقے کے ساتھ...... اس لیے کہ تسنیم مشتق ہے "سنام" سے اور سنام اُونٹ کے اعلیٰ حصے (یعنی کوہان) کو کہتے ہیں...... اونچا مرتبہ وہ ہے کہ جس میں غیب ظاہر ہو اور اس میں ایسا امر جلوہ گر ہے کہ جو "لا کیف" سے مناسبت رکھتا ہو۔ جیسے کہ وہ ملاحت (نمکینی و خوبصورتی) جو تناسب اعضاء سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ رنگ وغیرہ سے...... یہ جزو جبروتی کی صورت میں جو نفس ناطقہ کے باطن میں رکھی گئی ہے۔

عالم جنان (جنتوں کے عالم) میں اللہ تعالیٰ کے طریقوں اور عبادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر وہ کمال جو نفس میں حاصل ہو اُس کی ایک مثال ہوتی ہے۔ ارتفاقات میں سے ہر نوع کے اندر پینے اور کھانے وغیرہ کی چیزوں میں سے۔

جب صورت کمال نوع شراب میں ظاہر ہوئی تو واجب ہوا کہ قوت عقلیہ، قوت عملیہ اور جزو جبروتی میں سے ہر ایک کے لیے ایک صورت قرار دے دی جائے۔ یہ اصل ہے جو ایسے عارف پر منکشف ہوتی ہے جس نے ہر عمل کی جزاء کو جان لیا ہے۔ جب اعمالِ مقربہ اور اعمال مبعدہ میں سے ہر نوع کے لیے عالم ملکوت اور عالم شیاطین کی طرف رجحان ہے اور عالم ملکوت کا مبدأ فیض کی طرف میلان ہے جو کہ اول سلسلہ وجوہ ہے، اور عالم شیاطین کو مبدأ فیض سے بہت زیادہ دوری ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی طرف میلان طبیعی ہوتا ہے، وہ اسی چیز کے اندر مندرج (داخل) ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ابرار کے لیے ایک کتاب ہو کہ جس میں اُن کے اسماء لکھے ہوئے ہوں۔ یعنی اس میں اُن کی صورتیں چھپی ہوئی ہوں۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے اللہ سے قریب کرنے والے اعمال کیے اور ضروری ہوا کہ یہ کتاب "ملکوت" کے ایسے اعلیٰ مقام میں رکھی جائے جو جبروت سے ملا ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ○ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ○ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ﴾(۹)

(بے شک ابرار کی کتاب علیین میں رکھی ہوئی ہے۔ اور مخاطب تجھے معلوم ہے کہ علیین کیا ہے۔ ایسی کتاب جس میں ثواب لکھے ہوئے ہیں اور مقربون کے سامنے رہتی ہے)۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ کتابت صورت اجمالی ہے اس چیز کی جو لکھی جائے، اور یہ بھی ضروری ہوا کہ فجار کے لیے ایک کتاب ہو کہ اس میں اُن کے اسماء لکھے ہوئے ہوں یعنی اُس میں اُن کی صورتیں چھپی ہوں...... اس حیثیت سے کہ اُنہوں نے ایسے اعمال اختیار کیے جو اللہ اور جنت سے بعید کرنے والے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہوا کہ کتاب فجار ظلمات کے آخری کنارے میں رکھی جائے جو کہ مبدا فیض ہے، انتہائی دُوری پر واقع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍOوَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌO كِتَابٌ مَرْقُومٌO وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾[۱۰]۔

(البتہ کتاب فجار سجین میں ہے اور اے مخاطب تو جانتا ہے کہ سجین کیا ہے؟ ایسی کتاب کہ جس میں اعمال بد لکھے ہوئے ہیں۔ خرابی ہے اُس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے)[۱۱]۔

ب۔ صدیقیت انبیاء و امتیاں

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے سوال کے جواب میں آپؒ نے تحریر فرمایا: "آپ نے لکھا تھا کہ کتاب حجہ بالغہ (حجۃ اللہ البالغہ) میں بہ سلسلہ تحقیق صدیقیت، سینہ ہائے افاضل امت کے اندر انعکاس انوار نبوت کو صدیقیت قرار دیا گیا ہے۔ پس اس صورت میں قرآن کریم کی آیہ کریمہ: ﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾[۱۲] (بے شک ابراہیم علیہ السلام صدیق اور نبی تھے) کے کیا معنی ہوں گے؟ جاننا چاہیے کہ جو حجہ بالغہ میں مذکور ہوا ہے، وہ امتوں کی صدیقیت کی تحقیق ہے اور یہ صدیقیت انبیاء کا ظل ہے۔

بات کو واضح طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ صدیقیت اُمتیان، اُمتیوں کے سینے میں انعکاسِ انوارِ نبوت کا نام ہے۔ جیسا کہ حجہ بالغہ میں تشریح و تفصیل کر دی گئی ہے...... رہی صدیقیت ابنیاء تو وہ افاضل انبیاء کے سینوں میں انوار تجلی اعظم کا انعکاس ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ نسبت قمر کے ساتھ رکھتا ہے۔ اُس نسبت کا ظل ہے جو قمر، شمس کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور ان دونوں نسبتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کتاب خیر کثیر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے اثبات امامت اسی معنی و حقیقت کے لوازم میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾[۱۳] (اے ابراہیمؑ! بے شک میں نے تم کو لوگوں کا امام بنایا ہے)۔

خیر کثیر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مشابہت کا اثبات بھی اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے [۱۴]۔

ج۔ آیت کی تشریح و تفسیر

شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف سے بیان فرمایا: ﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ﴾ [۱۵] (ہم میں سے ہر ایک کا کام مقرر ہے) اگر پورے غور و فکر کو کام میں لایا جائے تو یہ بات فقط ملائکہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے (بلکہ) ہر سالک کو ایک ایسے خاص مزاج پر پیدا کیا گیا ہے جو یقینی طور پر مراتب قوتِ عقلیہ و عملیہ میں سے ایک خاص مرتبے کا مقتضی ہے اور اُس کے لطائف میں سے کوئی (ایک) لطیفہ زیادتی ظہور کی وجہ سے تمام لطائف میں ممتاز ہو گا۔ یہ سالک ہاتھ پیر مارتا ہے، نشیب و فراز میں دوڑتا ہے، اور ہر تر وخشک سے تعلق پیدا کرتا ہے تاکہ ترقی واقع ہو...... یہ ہر عمل سے ایک نفع اور ہر صحبت سے ایک ثمرہ حاصل کرتا ہے...... بہت سی مصیبتوں اور دقتوں کے بعد...... جب اس سالک کا سفر ختم ہوا، اور تسلی کے مقام میں پہنچ گیا تو اُس نے اپنے لطائف میں سے وہی لطیفہ دیکھا جو کہ ظاہر اور روشن ہو گیا ہے اور اُس کی مخفی استعداد قوت سے فعل میں پہنچ گئی ہے، اور اُسی مرتبہ خاص کو دیکھا جس کے لیے خود اپنے اندر گھوما گیا اور اپنی طلب میں مدتوں دوڑا، آخر خود کو پہنچ گیا۔ ہاں چونکہ ملائکہ کے اندر یہ ہاتھ پاؤں مارنا، نشیب و فراز میں دوڑنا، تر وخشک سے آویختہ ہونا، اور ہر عمل سے ایک تازہ نفع اور ہر صحبت سے ایک ثمرہ پانا نہ تھا، اس لیے وہ کلام مذکور کے ساتھ تمام مخلوق میں زیادہ حق دار و مستحق واقع ہوئے اور اس دعوے میں سب سے زیادہ صادق نظر آئے...... پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف سے فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾ [۱۶] (اور ہم البتہ صف بستہ رہتے ہیں)۔ اگر غور و تأمل کو پورا پورا کام میں لایا جائے تو یہ معنی بھی ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ ہر جماعت کے افراد جو استعدادات متقاربہ رکھتے ہیں، وہ عالم معنی میں صف بستہ ہیں اور نماز جبلی (نماز فطری) کے اندر اُن کی صفیں عجیب شکل میں کھڑی ہوئی ہیں، لیکن چونکہ ملائکہ کے مزاج چنداں نو بہ نو اور رنگ برنگ ارادے نہیں رکھتے، اور اُن کے مقامات اُن کی استعدادوں کے تابع ہیں۔ اس لیے صف بندی کے معنی اُن کے اندر اچھی طرح ظاہر ہوئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ﴾ [۱۷] (بیشک ہم تسبیح کرنے والے ہیں) یہ معنی بھی تمام افرادِ مخلوق کے اندر جاری وساری ہے۔ ہر ایک کی حمد ہے، دوسرے کی حمد کے سوا...... اور ہر ایک کی ایک تسبیح و تقدیس ہے، دوسرے کی تسبیح و تقدیس سے علیحدہ...... اگر تم شہباز کی استعداد کو شگفتہ کر

کے دیکھو گے تو وہ یہ کہتا ہوا سنائی دے گا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے جلال کے ساتھ اپنے تمام بندوں پر غلبہ کیا۔ پاک ہے ذات اللہ کی جو منزہ ہے ناخنوں سے اور بازوؤں سے...... اور اگر تم کبوتر کی استعداد کو چیر پھاڑ کر کے دیکھو گے تو وہ یہ کہتا ہوا سنائی دے گا کہ تمام تعریفیں ثابت ہیں اللہ کے لیے، جس نے اپنی ہر شان کو اچھا بنایا۔ پاک ہے وہ ذات جو منزہ ہے، گو نجتی ہوئی آواز سے اور بازوؤں سے [۱۸]۔

د۔ ایک آیت سے استدلال

بابا عثمان [۱۹] پر آنے والی مصیبتوں میں تسلی کے لیے یہ خط لکھا:

"آپ ان شدائد کو جو آپ کو پیش آرہے ہیں، شدائد شمار کرتے ہیں اور اُن شدائد پر شکوہ کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ شدائد ایک ایسا سبق ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے تاکہ آپ کے نفس کو تمام اخلاق فاضلہ کی اصل وبنیاد (رزانت نفس) پر مشق حاصل ہو۔ اس موقع پر یہ ضروری ہے کہ نفس سے جزع فزع اور گھبراہٹ کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا جائے، ظاہری حیثیت سے بھی اور وباطنی حیثیت سے بھی...... اور یہ بھی ضروری ہے کہ قوی ہمت صابرین کے واقعات کو یاد کیا جائے اور صبر ورزانت کے فضائل کا یاد کرنا بھی ضروری ہے جن کو آپ عقلاً ونقلاً دونوں طریقوں سے جانتے ہیں۔

نفس زکیہ ہر صاحت کے اندر اُس حالت کا ادب بجالاتا ہے اور وہ اس جماعت کا امام ہو جاتا ہے جس کے صبر ورزانت کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ [۲۰]۔

(اور جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو چند کلمات (امتحانات) کے ذریعہ سے آزمایا، پس اُنہوں نے امتحانات کو پورا کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں)۔...... ہر نفس کی شدت علیحٰدہ ہے اور ہر نفس کی مخالفت بھی علیحدہ ہے اور ہر نفس کا علاج وہ علوم ہیں کہ اُسی کے اندر سے آگئے اور پیدا ہوتے ہیں۔ اس مکتوب کو جو ایک قسم کا تذکرہ ویادداشت ہے چشم اعتبار وعبرت سے بغور پڑھیں۔ یہ کوئی انشاءنامہ نہیں ہے کہ جو ﴿فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ﴾ [۲۱] (وہ ہر وادی میں حیران پھرتے ہیں) کے باب میں داخل ہو [۲۲]۔

ر۔ تولی خاص

شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے: ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾[۲۳] (اللہ تعالیٰ صالحین کا دوست اور کارساز ہے) اس آیت کی رُو سے ایک تولی خاص ہر شاخ و برگ میں سرایت کرتی ہے اور ایک عجیب تازگی اور انوکھا رنگ عطا کرتی ہے۔ اس تازگی اور رنگ کے تماشائی کو چاہیے کہ غسال کے ہاتھ میں میت کی طرح رہے اور مجسم آنکھ بن جائے تاکہ دیکھ سکے کہ (قضاو قدر) کیا کرتے ہیں، اور ہمہ تن گوش ہو کر سنے کہ وہ کیا کہتے ہیں[۲۴]۔

ز۔ آیت کی تشریح

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[۲۵] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بابا عثمان کشمیری کو لکھتے ہیں:

جس کام کے واسطے ہم پیدا کیے گئے ہیں، وہ عبادت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ہم نے جن اور انسان کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے...... لیعبدون کی تفسیر میں (بعض مفسرین کی طرف سے) کہا گیا ہے کہ جن و انس کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ توحید اختیار کریں اور میرے نزدیک یہ ہے کہ عبادت اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ (یعنی اس میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے کہ توحید اور معرفت کے معنیٰ لیے جائیں۔) اس لیے کہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں: قوت علمیہ اور قوت عملیہ۔ اور سعادت تامہ جس کے لیے وہ مخلوق ہوا ہے، بغیر ان دونوں قوتوں کی تکمیل کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور عبادت ایک جامع اسم ہے انسان کی اس توجہ کا جو علماً اور عملاً دونوں طریقے پر ہو۔ اس بنا پر شرعاً کوئی عبادت، عبادات میں شمار ہو کر تصحیح نیت کے بغیر فرض نہیں کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
"إنما الأعمال بالنيات"[۲۶] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

(پھر یہ جاننا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ نے حوادث میں ہر حادثے اور واقعے کو دوسرے حادثے و واقعے پر مرتب کیا ہے، اور حکمت بالغہ کے تقاضے کی بناء پر بعض حوادث کو بعض کا بغل گیر بنایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا طریقہ اس طرح جاری کیا ہے کہ ایک عورت جب بچہ جنتی ہے تو اس کی دونوں چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ پس یقینی طور پر دودھ اور بچے میں تعانق (لازم ہونا) اور ربط باہم کی نسبت ہے۔ اسی طرح جب پرندے انڈے دینے والے ہوتے ہیں تو اللہ کی طرف سے یہ بات ان کے دل میں ڈال دی جاتی ہے کہ وہ گھونسلا بنائیں۔ پس یقینی طور پر گھونسلا بنانے اور انڈے دینے میں ایک قسم کا باہمی ربط ہے، اور اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ بارش کے برسنے اور کھیتی کے اگنے میں باہمی ربط و تعلق ہے۔ پھر کھیتی کے اگنے اور حیوانوں اور انسانوں کے احیاء میں (زندہ رکھنے میں) بھی تعانق و تعلق ہے۔

زبان شرع ان معانقات و تعلقات کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ دودھ پیدا کیا گیا ہے، بچے کی پرورش کے لیے اور پرندوں کے اندر گھونسلا بنانے کا الہام کیا گیا ہے، ان کے بچوں کی پرورش کے لیے، اور بارش برسائی گئی کھیتی اگنے کے لیے اور کھیتی اگائی گئی جانداروں کے زندہ رکھنے کے لیے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتوں والا پیدا کیا ہے۔ اور اس کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ ان دونوں قوتوں میں سے کوئی قوت کامل نہ ہو گی جب تک کہ اس کے جوارح واعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے مودب نہ ہو جائیں، ورنہ اس کے علم کے برتن اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ذکر سے نہیں بھریں گے، اس حیثیت سے کہ وہم، خیال، اور عقل آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور ان تینوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مخالفت نہ کر سکے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ان طرح طرح کے (فطری) کمالات کا جامع اسم "عبادت" ہے۔ پس انسان عبادت کے لیے پید کیا گیا ہے اور عبادت ہی میں سے اس کے افعال ہیں۔ کسی ممنوع چیز کا چھوڑنا بھی عبادت میں داخل ہے اور عبادت ہی میں وہ اخلاق بھی شامل ہیں جو اخذ وکسب کیے جاتی ہیں۔ اور عبادت ہی میں سے ہیأت وجدانیہ (وجدانی شکلیں) بھی ہیں۔ جیسے توکل، شکر، صبر اور یقین...... حاصل کلام یہ ہے کہ صورت نوعیہ، انسانیہ کسی نہ کسی کمال کے ساتھ متعانق و متعلق ہے اور انسان کی سعات نوعیہ اس کمال کو پالینے میں پوشیدہ ہے، اور اس کی نجات اخرویہ بھی اسی کمال کو حاصل کرنے کے ساتھ مربوط ہے۔

جس جماعت کی اندر قوائے عقلیہ کو قوی تر پیدا کیا گیا ہے، اس کا نصب العین اور مطمح نظر اسی حقیقت کی طلب و جستجو ہے، اگرچہ وہ جماعت بظاہر بدنی اور نفسانی بلاوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہو۔ اس فطری و جبلی طلب کو، کہ جس کی شرع نے تاکید کی ہے اور جس کے صحیح و درست ہونے کی گواہی دی ہے، خوب سوچنا سمجھنا چاہیے[۲۷]۔

ایک اور خط میں شاہ محمد عاشق پھلتی کے معارف کی تحسین فرماتے ہوئے ان کو اس خط کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیا اور یہ بھی لکھا:

دوسری معرفت عظیمہ جو آیت: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[۲۸] کے معنی و تفسیر میں تھی، آپ نے اس آیت کے اندر عبادت کو ظاہر پر محمول کیا، اور تاویل نہیں کی جیسا کہ بعض مفسرین نے ﴿لِيَعْبُدُونِ﴾ کے معنی لیوحدون اور لیعرفون کرکے تاویل کی ہے۔ (یعنی انہوں نے عبادت کے ظاہری معنی چھوڑ کر عبادت کو توحید اور معرفت کے معنی میں رکھا ہے) یہ تاویل نہ کرنا بھی مجھ سے بہت پسند آیا[۲۹]۔

مسئلہ روح

مسئلہ روح کے بارے میں بابا عثمان کشمیری کو لکھا:

آپ نے مسئلہ ارواح سے متعلق بھی استفسار کیا ہے کہ کیا روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں یا جسموں کے ساتھ ساتھ پیدا کی گئی ہیں؟ اس کے جواب میں جاننا چاہیے کہ تمام اہل ملت، ارواح کے حادثات ہونے پر تو متفق ہیں۔ پھر اختلاف اس بارے میں ہوا کہ روحیں بدن کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں یا بدن سے پہلے۔ پہلا گروہ جو روح کی پیدائش بدن کے ساتھ بتاتا ہے، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ﴾[30] (ہم نے اُس کو دوبارہ پیدا کیا)۔

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نفس کا بدن کو فیض پہنچانا ہے اور اس بات کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ معنی یہ ہوں، کہ ہم نے نفس کو بدن سے متعلق کر دیا اور یہ متعلق کرنا بھی ایک قسم کا "انشاء" اور "خلق" ہے۔

دوسرے گروہ کی دلیل جو ارواح کو ابدان سے پہلے بتایا ہے، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ قول گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام کی پیدائش سے دو ہزار سال پیشتر پیدا کیا ہے، اس دلیل کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اگر ہم اس حدیث کی صحت تسلیم بھی کر لیں تو اس سے ملائکہ کی ارواح عالیہ مراد ہوں گی۔ جیسا کہ حضرت امام غزالیؒ نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔ الغرض دونوں قولوں میں سے کوئی ایک قول متعین نہیں ہے اور سلف کے ایک قول پر صراحت کے ساتھ اتفاق نہیں ملتا۔ روح کے اس مسئلے میں اختلاف کرنے والی یہ دونوں جماعتیں عالم مثال کی قائل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تو عالم مثال کے معنی کا تصور بھی نہیں کرتیں چہ جائیکہ اس بارے میں نفی و اثبات کریں۔ لیکن اس فقیر کے سامنے اس بارے میں ایک تفصیل ہے جس کا حق بحالت موجودہ پورا پورا ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اجمالی طور پر اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا مبداحیات تین چیزیں ہیں:

۱۔ نسمہ...... جو روح ہوائی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی مثال چنگاری ہے، جس میں آگ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔

۲۔ نفس ناطقہ...... جو اصطلاح فلسفہ میں مجرد ہے اور ہم اُس کو مجرد نہیں مانتے۔

۳۔ روح سماوی...... کہ ذریت حضرت آدمؑ اُسی کی ایک نمائش تھی۔

ان میں سے نسمہ اور نفس ناطقہ تو بدن کے پیدا ہونے کے وقت پیدا ہوتے ہیں، اور روح سماوی ان دونوں سے بہت زمانہ پہلے پیدا ہوئی ہے۔ اس بحث کو خوب غور سے پڑھا جائے[31]۔

س۔حیات انبیاء علیہم السلام

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں بابا عثمان کشمیری کے سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

ایک اور استفسار ارواح انبیاء علیہم السلام اور برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات سے متعلق بھی کیا گیا تھا۔اس بارے میں اتنا جاننا چاہیے کہ کتاب وسنت کی تصریحات موت انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتی ہیں...... اس بات پر اجماع منعقد ہوا ہے اور بلاشک وشبہ احکام موت اُن پر جاری ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو ایک طرح کی فوقیت دی گئی ہے۔اسی فوقیت کو حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسا کہ شہداء کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (۳۲)

(جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے،اُن کو مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں)۔

اگر کوئی عالم یکایک یہ بات کہہ دے کہ بغیر تشبیہہ اور بغیر مجاز کے (حقیقی معنی میں) شہداء زندہ ہیں تو یہ بات مزیت وفوقیت کے لحاظ سے ہوگی، جس کا ہم نے حیات نام رکھا ہے،اس کے سوا اور کوئی بات نہ ہوگی (۳۳)۔

ص۔مناسبات کواکب بآیات قرآنی

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کو درج ذیل آیت کے بارے میں لکھا:

﴿ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِO يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (۳۴)

حقیقت شمس کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھی ہے۔اگر ہم عرف کی زبان میں یوں کہیں کہ یہ سورج کی تسبیح خوانی ہے تو اس کی گنجائش ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ یہ آیت سورج کی پیشانی پر خط نورانی مقدس سے لکھی ہوئی ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔اسی طرح ہر ستارے کے مناسب ایک آیت ہے اور یہ مسئلہ (مناسبات کواکب بآیات قرآنی) فن عجائب القرآن کے دقیق مسائل میں سے ایک ہے۔بعض احادیث میں، جن کی سند ضعیف ہے، یہ ملتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے نام سورج کی پیشانی پر یا ساق عرش (عرش کے ستون) پر لکھے ہوئے ہیں یا جنت کے دروازے پر ہیں یا طوبیٰ کے شاخ وبرگ پر نوشتہ ہیں۔سب اہل حدیث ان حدیثوں کو

مناکیر (غیر مقبول) میں سے جانتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ معناً صحیح ہیں اگرچہ ان کی کوئی مضبوط سند نہ ملتی ہو۔ کیونکہ یہ بزرگوار (حضرات ابو بکر و عمرؓ) صورت ناسوتیہ کے ظہور سے پہلے ایک شعشعان (ہلکا لطیف سایہ / پرتو) رکھتے تھے، پھر اس شعشعان نے بہت سے میدانوں میں سرایت کی اور جیسا کہ بیان ہوا ان میں بعض ان (حضرات) کے مجالات ہیں۔ یہ داستان دراز ہے۔ میں اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں(۳۵)۔

ط۔ تفسیر فاتحہ

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے اپنے مکتوب میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کے بارے میں کچھ تحریر کیا، حضرت شاہؒ اس کی تحسین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ نے (بسلسلہ تفسیر سورۂ فاتحہ) بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمد کو چار وجوہ پر مرتب کیا ہے:

۱۔ ﴿الحمد للہ......﴾ اس سے معلوم ہوا کہ الوہیت حمد کا تقاضا کرنے والی ہوئی اور اسی الوہیت نے حجر بہت سے نمودار ہو کر ہم کو عبادات تک پہنچایا ہے۔

۲۔ ﴿رب العالمین......﴾ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے ایجاداً و ابقاءً (پیدا کرنے اور باقی رکھنے) دونوں حیثیتوں سے انسانوں کے ذمہ حمد کو واجب کیا ہے۔

۳۔ ﴿الرحمٰن الرحیم......﴾ ظاہری و باطنی نعمتیں یا بالفاظ دیگر دنیوی اور اُخروی نعمتیں حمد کو واجب کرنے والی بن گئیں۔

۴۔ ﴿مالک یوم الدین......﴾ اس مجازاۃ نے (یعنی جزا و سزا نے) جس کا ہونا آخرت میں ثابت ہے، حمد کا تقاضا کیا۔

آپ نے اس معرفت عظیمہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ تمام تحقیق و تفصیل انتہائی صحیح اور راسخ ہے اور فضل الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر و نشانی ہے اور اللہ کے فضل کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اے اللہ (تحقیق و معرفت) اس کو خوب بڑھا اور پے در پے بڑھا(۳۶)۔

ظ۔ آیت کی وضاحت

شاہ نور اللہ پھلتی کوؒ ایک آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ بات جس کا وجدان (ادراک) متحقق ہے یہ ہے کہ صفات میں سے وہ صفت جو کہ انسان کے طور طریق کی مقتضی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ﴾(۳۷) (کہ

کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اوپر طریق اپنے کے)۔ اس صفت کی اصل وبنیاد میں اشتراک کا ہونا ایک دوسرے کی طرف میلان کا سبب اور جذب و انجذاب کا باعث بن جاتا ہے۔ جتنی وہ صفت اشتراک قوی تر ہو گی۔ جذب و انجذاب اُتناہی زیادہ ہو گا۔ اسی انجذاب سے ہم نیک فال لیتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ حظیرۃ القدس میں حرکت کی مشقت سے آسودہ اور بے فکر ہو کر ہم آپس میں ابد الاباد تک مجتمع رہیں گے۔

(ترجمہ شعر عربی) "جب سے مجھ کو میرے قلب نے غنی کیا، میں غنی ہو گیا اور ہم وہاں ہیں جہاں ہمارے (احباب) ہیں اور ہمارے احباب وہاں ہیں جہاں ہم ہیں"۔

آج ہم اسی نکتے پر اکتفا کرتے ہیں تا آنکہ ہمارے اُوپر اُس کی شرح اور زیادہ واضح اور روشن ہو جائے[۳۸]۔

ع۔ سورہ نور کی وضاحت

شاہ محمد عاشق پھلتی کو سورہ نور میں لفظ نور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں کہ جس کو ﴿ أَنزَلْنَاهَا ---﴾[۳۹] کے عظیم الشان کلمہ سے شروع فرمایا ہے (یعنی سورۂ نور میں) اس حالت عجیبہ کی ان الفاظ میں خبر دی ہے:﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾[۴۰] (اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا) مثل نورہ یعنی قلب عارف کامل کے اندر اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ مشکوٰۃ (طاق) کے اندر چراغ رکھا ہو۔

(اب) کوئی شک نہیں رہا کہ اسی حالت عجیبہ کو اس مثال کے ضمن میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ اور حمد اللہ ہی کے لیے ہے شروع میں بھی اور آخر میں بھی[۴۱]۔

آیات کی ان تشریح وتوضیح سے واضح ہوتا ہے کہ ان مکاتیب میں حضرت شاہؒ پر تفسیر اشاری کا رحجان غالب رہا۔ لیکن تفسیر اشاری کی یہ وہ نوعیت ہے جسے قبول کیا جاتا ہے۔ ان تفسیری اشارات سے حضرت شاہؒ کے صوفیانہ افکار اور ان کو قرآنی آیات سے کرنے کا ملکہ بھی سامنے آتا ہے۔

۳۔ آیات کی طرف اشارے

کئی مقامات پر حضرت شاہؒ نے قرآنی آیت کی تفسیر تو بیان نہیں فرمائی لیکن آیت کو جملوں میں اس طرح استعمال کیا کہ اس آیت کی کوئی تعبیر ضرور سامنے آتی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

الف۔ کسی عزیز کو امراض قلب کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

امراض سلوک اگرچہ بہت ہیں مگر وہ چار اقسام پر منحصر ہیں:

۱۔ یہ کہ عقل، ایمان و معرفت سے پر نہ ہو۔

۲۔ قلب، اصل جبلت میں، ہمت و عزیمت والا نہ ہو۔

۳۔ نفس، حکم قلب سے مغلوب اور اس کا ماتحت نہ ہو۔

۴۔ یہ کہ قلب کا اشتغال، عبودیت میں اتنا قلیل ہو جو ناکافی ہو اور (آیت): ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ﴾[۴۲] کا یہ اشتغال قلیل مصداق ہو[۴۳]۔

ب۔ شاہ محمد عاشق پھلتی نے ایک خواب دیکھا اس میں زرد پلاؤ کا ذکر بھی آیا آپ اس خواب کی تعبیر تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور زرد پلاؤ کی خصوصیت اس آیت کریمہ سے سمجھی جا سکتی ہے۔

﴿صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾[۴۴]۔ یہ اسلوب مکاتیب میں بہت استعمال ہوا ہے[۴۵]۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی خدمات کثیر الجہات ہیں۔ انہوں نے جہاں عام فہم ترجمہ کے ذریعہ قرآنی ذوق پیدا کرنے کی سعی کی وہاں قرآن کریم سے اخذ ہونے والے دقیق اور گہرے نکات کو بھی ذکر فرمایا۔ ان مکاتیب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ تفسیر اشاری کو جائز سمجھتے تھے مکاتیب کے اس مجموعہ میں آپ نے قرآنی تشریحات اسی اسلوب پر کی ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ان تصانیف کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فاروقی، نثار احمد، مقدمہ: نادر مکتوبات، تحقیق وترجمہ: نسیم احمد فاروقی، حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت، ۱۹۹۸ء، متفرق صفحات۔

۲۔ شاہ ولی اللہ کے ماموں زاد بھائی، برادر نسبتی شاگرد، اور مرید و خلیفہ۔

۳۔ نادر مکتوبات جلد اول، ص:۱۷۶۔۱۷۷۔

۴۔ ایضاً، ص:۲۲۲۔

۵۔ ایضاً، ص:۳۲۰-۳۲۱۔

۶۔ نامور شاگرد اور خلیفہ۔

۷۔ نادر مکتوبات ص:۳۰۹-۳۱۱۔

۸۔ ایضاً، ص:۵۱۔

۹۔ سورۃ المطففین، ۱۲-۱۸:۸۳

۱۰۔ سورۃ المطففین، ۱۰-۷:۸۳

۱۱۔ نادر مکتوبات، ص:۵۲-۵۴۔

۱۲۔ سورۃ مریم، ۱۹ : ۴۱۔

۱۳۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۲۴۔

۱۴۔ نادر مکتوبات، ص:۸۹- ۹۰۔

۱۵۔ سورۃ الصافات، ۳۷ : ۱۶۴۔

۱۶۔ سورۃ الصافات، ۳۷ : ۱۶۵۔

۱۷۔ سورۃ الصافات، ۳۷ : ۱۶۶۔

۱۸۔ نادر مکتوبات، ص:۱۱۲-۱۱۴۔

۱۹۔ آپ شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں۔

۲۰۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۲۴۔

۲۱۔ سورۃ الشعراء، ۲۶ : ۲۲۵۔

۲۲۔ نادر مکتوبات، ص:۱۴۷۔

۲۳۔ سورۃ الأعراف، ۷ : ۱۹۶۔

۲۴۔ نادر مکتوبات، ص:۱۷۲۔

۲۵۔ سورۃ الذاریات، ۵۱: ۵۶۔

۲۶۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، حدیث: ا۔

۲۷۔نادر مکتوبات، ص:۱۸۰-۱۸۳۔

۲۸۔سورۃ الذاریات، ۵۱: ۵۶۔

۲۹۔نادر مکتوبات، ص:۱۷۶۔

۳۰۔سورۃ المؤمنون، ۲۳: ۱۴۔

۳۱۔نادر مکتوبات، ص:۱۹۱-۱۹۲۔

۳۲۔سورۃ آل عمرآن، ۳: ۱۶۹۔

۳۳۔نادر مکتوبات ، ص:۱۹۲-۱۹۱۔

۳۴۔سورۃ غافر، ۴۰: ۱۵۔۱۶۔

۳۵۔نادر مکتوبات، ص:۲۰۶۔

۳۶۔ایضاً، ص:۲۱۸۔

۳۷۔سورۃ الإسراء، ۱۷: ۸۴۔

۳۸۔نادر مکتوبات، ص:۲۵۴۔

۳۹۔سورۃ النور، ۲۴: ۱۔

۴۰۔سورۃ النور، ۲۴: ۳۵۔

۴۱۔نادر مکتوبات، ص:۲۵۳۔

۴۲۔سورۃ الغاشیۃ، ۸۸: ۷۔

۴۳۔نادر مکتوبات، ص:۹۲۔

۴۴۔سورۃ البقرۃ، ۲: ۶۹۔

۴۵۔ملاحظہ فرمایئے: ص:۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۹۳، ۲۷۰، ۲۷۶، ۳۰۱۔